اسلام اور مستشرقین[1]

عبدالطیف طباوی ——— ترجمہ و تلخیص ڈاکٹر عبدالرحیم قدوائی

مستشرقین کے اسلامیات سے متعلق مطالعات کی تاریخ جس درجے گھناؤنی ہے اس کی مثال علوم و فنون کی تاریخ میں شاذ و نادر ہی ملتی ہے۔

یہودیوں اور عیسائیوں کی اسلام دشمنی کا ذکر کلام پاک میں بھی آیا ہے اور یہ امر واقعہ ہے کہ آنحضرتؐ کی بعثت کے بعد ہی سے اہل کتاب نے اسلام کی مخالفت میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا اور اسلام دشمنی کی یہ روایت صدیوں گزر جانے کے بعد بھی بدستور قائم ہے۔ جیسے جیسے اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا یہ روایت خطۂ عرب سے منتقل ہو کر مغرب کی فکر کا جزو بن گئی۔

گو بازنطینی مصنفین بھی اسلام دشمنی میں کچھ کم نہ تھے لیکن قرون وسطی کے مسیحی اہل قلم نے اس میدان میں بھی انھیں مات دے دی۔ ان مصنفین کے اعتراضات کا ہدف اسلام کے عقائد اور احکام اور آنحضرتؐ کی ذات اقدس دونوں ہی رہے ہیں۔ اسلام دشمنی کے یہ جذبات صلیبی جنگوں کے موقع پر بڑے کارگر ثابت ہوئے۔ یہ امر کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ صلیبی جنگوں کے باعث مسلمانوں کا قریب سے مشاہدہ کرنے کے باوجود اہل یورپ

---

[1] "The Muslim world" جلد نمبر ۵۳ (۱۹۶۳ء) شمارہ نمبر ۳، ۴ صفحات: ۱۸۵-۲۰۴، ۲۹۸-۳۱۳ کے مقالہ بعنوان "English Speaking Orientalists: A Critique of their approach to Islam and Arab Nationalism" کی تلخیص۔

کا رویہ بدستور لاعلمی اور تعصب ہی کا رہا۔ صلیبی جنگوں کے خاتمے پر اہل مغرب نے یہ فیصلہ کیا کہ چونکہ بزور شمشیر اسلام کو شکست دینا ممکن نہیں لہٰذا اسلام پر حملے قلم کے ذریعہ کئے جائیں اور اسی مقصد کے پیش نظر ریمنڈ لل (Raymond Lull) اور فرانسس آف اسیسی (Fransis of Assisi) نے مغربی درس گاہوں میں عربی درس و تدریس کی داغ بیل ڈالی۔ عربی زبان و ادب پر دسترس حاصل کرنے کے پس پشت یہی جذبہ کارفرما رہا کہ اسلام کے بنیادی ماخذوں سے براہ راست واقفیت کی مدد سے اسلامی عقائد و احکام پر اعتراضات کئے جائیں۔ سیاسی اور فوجی معرکوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانے مثلاً اسپین کی بازیابی اور مغرب میں دولت عثمانیہ کے بڑھتے ہوئے عمل دخل نے تو گویا جلتے پر تیل کا کام کیا۔ پندرہویں صدی میں رونما ہونے والی علمی و فکری تحریک نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کے زیر اثر بھی اس رویئے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ گو Re-formation تحریک کے باعث سولہویں صدی کے بعد مغرب کی عام سماجی زندگی پر مذہب کی گرفت بہت کمزور پڑ گئی اور مذہب محض ایک انفرادی معاملہ بن کر رہ گیا لیکن اسلام دشمنی کے محرک جذبات میں سیاسی اور معاشی مفادات کا اضافہ ہو گیا۔ اس نکتے کی وضاحت اس امر سے ہوتی ہے کہ ۱۶۳۶ء میں کیمبرج یونیورسٹی میں عربی چیئر کے قیام کے لئے جو قرارداد پیش کی گئی اس [illegible] سبب یہ تھا کہ [illegible]بی زبان کی تحصیل سے نہ صرف تجارت کی نئی راہیں کھلیں گی بلکہ اس سے کلیسا کا [illegible]ہ عمل بھی وسیع تر ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ ابتداء سے ان مغربی درسگاہوں کے شعبۂ عربی اور اسلامیات سے منسلک افراد مغرب کی اسلام دشمنی مہم کی صف اول میں رہے ہیں۔

انیسویں صدی میں بیشتر مسلم ممالک پر مغرب کا سیاسی تسلط قائم ہوا اور اسی باعث ان مقبوضہ مسلم ممالک میں مشنری تحریک بڑی سرگرم رہی۔ اسلام دشمنی کی اس مہم میں کلیسا نے براہ راست تبلیغ کے ذریعہ اسلام پر حملے کئے اور حکومت کی سطح پر نصاب تعلیم کی آڑ میں تعلیم یافتہ طبقے نے اپنا رول ادا کیا۔ مغربی طرز تعلیم کے فروغ دینے کا مقصد اسلام میں "تجدد" اور مغرب پرستی کو عام کرنا رہا۔

مستشرقین نے اسلامیات پر بلاشبہ بہت کام کیا ہے اس کام کا بڑا حصہ بنیادی ماخذوں کے تراجم اور حاشیہ نویسی پر مشتمل ہے۔ یہ کام علمی اعتبار سے یقیناً گراں قدر ہے لیکن فکری اعتبار سے ان تحریروں پر بھی اسلام دشمنی کا بہت گاڑھا رنگ چڑھا ہوا نظر آتا ہے۔ حاشیوں اور مقدموں میں جا بجا ایسی عبارتیں ملتی ہیں جن کا محرک اسلام دشمنی کا جذبہ ہی ہے۔ مستشرقین کی ایک اچھی خاصی تعداد کلیسا سے براہ راست متعلق رہی ہے۔ مستشرقین کی تصانیف بظاہر بڑی عالمانہ اور وقیع ہوتی ہیں لیکن اگر ان پر تنقیدی نظر ڈالی جائے تو یہ محض تسامحات کی پوٹ ہوتی ہیں۔ کتابیات کی ایک طویل فہرست، ماخذوں کے سیکڑوں حوالے اور حاشیے، ایک لاعلم قاری پر مصنف کی علمیت کا سکہ بٹھا دیتے ہیں۔ لیکن درحقیقت ان تحریروں سے برآمد ہونے والے نتائج نری قیاس آرائی پر مبنی ہوتے ہیں اور ان کے پس پشت اسلام دشمنی کا جذبہ موجزن نظر آتا ہے۔ چند مستشرقین کی عربی دانی یقیناً قابل رشک حد تک اچھی ہے لیکن کسی عربی تحریر کا مغربی زبان میں ترجمہ کرنے اور صحیح تناظر میں مطالعہ کرنے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

مستشرقین کی تصانیف میں اسلام پر وارد ہونے والے اعتراضات عام طور پر مندرجہ ذیل نکات پر مشتمل ہوتے ہیں۔

تقریباً سب ہی مستشرقین نے آنحضرتؐ کے دعویٰ رسالت پر اعتراضات کئے ہیں کسی بھی عقیدہ پر اصولی اعتراض کرنے کا یقیناً ہر شخص کو حق حاصل ہے لیکن اگر وہ عقیدہ کے وجود کو سرے سے تسلیم ہی نہ کرے تو پھر ایسے شخص کو معترض نہیں متعصب کہا جائے گا۔ یہی معاملہ مستشرقین کے آنحضرتؐ کو بطور پیغمبر تسلیم نہ کرنے کا ہے۔ مسلمانوں کے عقائد کا یہ ایک لاینفک جزو ہے کہ آنحضرتؐ کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اور آپؐ نے وحی الٰہی کی من وعن ترسیل فرمائی لیکن آنحضرتؐ کا یہ مقام کسی طرح مستشرقین کے حلق سے نیچے نہیں اترتا۔ وہ یہ مان کر آگے بڑھتے ہیں کہ قرآنِ پاک آنحضرتؐ کی تصنیف ہے۔ اپنے اس مفروضے کو عین حقیقت ثابت کرنے کے لئے انھوں نے دور از کار شواہد پیش کرنے کی کوشش کی ہے جس سے کچھ اس طرح کا احساس ہوتا ہے کہ آپؐ اپنے مطالعہ کے کمرے میں ماقبل اسلام کی تمام تصانیف کا تنقیدی جائزہ

لینے کے بعد ان کے منتخب اقتباسات اور نکات قرآن پاک کی شکل میں پیش فرماتے تھے۔

اگر یہ کہا جائے کہ چونکہ قرآن پاک اور بائبل میں بعض نکات مشترک ہیں لہذا قرآن پاک کی کوئی آزادانہ حیثیت نہیں ہے تو پھر بائبل میں بھی ایسے متعدد نکات شامل ہیں جن کا کھلا ہوا ماخذ مشرقی مذاہب ہیں اس بنیاد پر بائبل کو بھی مسترد کیا جانا چاہئیے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ان خطوط پر نتائج اخذ کرنا ایک گمراہ کن طریقہ ہے اور یہ نتائج کسی طرح بھی وقیع نہیں کہے جا سکتے۔ باوجود انتہائی کوشش کے مستشرقین ایسے متعین شواہد پیش کرنے میں ناکام رہے ہیں جن کی بناء پر اسلام کو یہودیت یا عیسائیت کا چربہ مانا جائے۔ تقریباً ہر تہذیب میں ماضی کی روایات کا پرتو صاف محسوس ہوتا ہے لیکن دیکھنے کی بات یہ ہوتی ہے کہ آیا یہ روایات عمل تقلیب سے گزر کر اس تہذیب کا جزو بنی ہیں یا نہیں۔ ہر تہذیب ایسی روایات کو یکسر مسترد کر دیتی ہے جو اس کے بنیادی عقائد کے منافی ہوں لیکن اس کے باوجود تمام مستشرقین کا اس مفروضے پر ایمان نظر آتا ہے کہ اسلام کی اپنی کوئی جداگانہ حیثیت نہیں ہے جب کہ امر واقعہ یہ ہے کہ اسلام ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے حقیقت یہ ہے کہ شائد اسلام دشمنی مستشرقین کو اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ اسے ایک دین اور مذہب تسلیم کریں اسی لئے وہ ان مفروضوں کا سہارا لیتے ہیں۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی مذاہب عالم کے موازنے پر مبنی تقابلی مطالعات ہیں کسی بھی تقابلی مطالعے کے لئے یہ بنیادی شرط ہے کہ دو مذاہب کی جداگانہ حیثیت کو تسلیم کیا جائے اور پھر نتائج اخذ کرنے کی کوشش کی جائے۔ اسلام سے متعلق شدید غلط فہمیوں کا شکار ہونے کے باعث مستشرقین کے یہ تقابلی مطالعات بھی بالکل یک طرفہ محسوس ہوتے ہیں اسلام اور عیسائیت کے مابین بعض سطحی مشابہتوں سے متاثر ہو کر مستشرقین نے یہ خیال بڑے شدومد کے ساتھ پیش کیا ہے کہ اسلام درحقیقت عیسائیت کی ایک مسخ شدہ شکل ہے۔ تقابلی مطالعات کے ایک ماہر نے ایک نیا شوشہ چھوڑا ہے۔ موصوف مشنری تحریک کے ایک سرگرم رکن کی حیثیت سے مدتوں برصغیر ہند و پاک میں بھی مقیم رہ چکے ہیں۔ فرماتے ہیں اسلام اور عیسائیت کے مابین موازنہ ان خطوط پر ہونا چاہئیے کہ آنحضرت ؐ اور سینٹ پال، قرآن پاک اور حضرت عیسیٰ حدیث اور بائبل یکساں کردار اور خصوصیات کے حامل ہونے کے باعث قابل موازنہ ہیں۔ یہ الگ

بات ہے کہ موصوف کی اس نادر تحقیق کو تجدد پسند اور روشن خیال مسلمان اہل قلم تک نے ناقابل اعتنا ٹھہرایا۔ مذہب کے معاملے میں اس انداز کی قیاس آرائی بالکل بے بنیاد ہے اس سے افہام وتفہیم کی راہیں کھلنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

دور حاضر کے مستشرقین کی تصانیف میں اسلام کے خلاف بے تُک گالی گلوچ کا وہ انداز نہیں ملتا جو قرون وسطیٰ کی تصانیف کا لازمی جزو ہے لیکن فکر آج بھی بنیادی طور پر اسلام دشمنی ہی کی ہے۔ مستشرقین کی نئی حکمت عملی یہ ہے کہ اسلام کو تجدد کی راہ پر ڈال دیا جائے مغرب میں Reformation تحریک کے پس پشت بڑے گہرے سماجی اور معاشی عوامل کارفرما تھے لیکن اسلام میں چونکہ ان عوامل کا سرے سے وجود ہی نہیں رہا ہے اس لئے تجدد کو اسلام کے سیاق وسباق میں چسپاں کرنا بالکل بے معنی ہے۔ یہ امر بھی کچھ غیر اہم نہیں کہ تجدد پسندی کا پرخلوص مشورہ دینے والے تمام مستشرقین کا تعلق پروٹسٹنٹ فرقے سے رہا ہے۔ کسی یہودی یا کیتھولک مستشرق نے اہل اسلام کو یہ مشورہ نہیں دیا ہے۔ اسلام کے ضمن میں اصلاح یا تجدد کا ذکر اس لحاظ سے بھی بالکل نامناسب ہے کہ خواہ اسلامی عقائد ہوں یا قوانین ان کا ماخذ وحی الٰہی ہے جو ہر مسلمان کے نزدیک ناقابل ترمیم ہے۔ اس میں اصلاح یا ترمیم کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا۔ تجدد یا اصلاح کا یہ مشورہ دراصل اس سازش کی چغلی کھاتا ہے جس کا مقصد اسلام کی انفرادیت کو پارہ پارہ کر کے اسے عیسائیت بالخصوص پروٹسٹنٹ رنگ میں رنگ دینا ہے۔ یہ نکتہ بھی خاصا دلچسپ ہے کہ ایک طرف تو مستشرقین یہ الزام لگاتے ہوئے نہیں تھکتے کہ اسلام قوانین کے لحاظ سے بڑا غیر لچک دار واقع ہوا ہے اور دوسری طرف ترمیم واصلاح کا مستقل مشورہ دینے سے بھی باز نہیں آتے۔

اسلام سے متعلق مستشرقین کے مطالعات کم وبیش اس نہج پر ہوتے ہیں کہ اولاً وہ اسلام کے عقائد واحکام کا ایک سرسری سا جائزہ لیتے ہوئے اس کی خامیوں کو بیان کرتے ہیں اور پھر ان خامیوں کو رفع کرنے کے لئے چند مفید مشوروں سے نوازتے ہیں۔ اس مقام پر یہ مصنفین اس حقیقت کو بالکل فراموش کر بیٹھتے ہیں کہ عقیدہ ایک گہرے روحانی تجربے کا نام ہے اور اسے اتنی آسانی سے مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ ●●

۵ ۴ ۳